جدید اُردو غزل میں اظہارِ ذات

(ساقی فاروقی کے حوالے سے)

عاصمہ اصغر *

Abstract:

Modern Urdu Ghazal due to its new sensibility has possessed unique kinds of dimensions. In it, the process of self expression attains a paramount importance in particular, by which a poet reveals his personality and self with superb creative craftsmanship.

Saqi Farooqi is a modern poet of Ghazal who has created a new atmosphere of verse by harmonizing self, personality and Ego, and used his Ghazal as a means to the discovery of self.

جدید ترین غزل کے نمائندہ شاعروں کا انتخاب ایک مشکل کام ہے۔ جہاں تک غزل میں جدید شعری طرزِ احساس اور انفرادی لہجہ قائم کرنے کا سوال ہے تو اِس حوالے سے بھی گذشتہ پچاس برس کے دوران میں اپنا سکّہ جمانے والے بیسیوں نام ذہن میں آتے ہیں۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں اُردو غزل بڑی حد تک اپنے روایتی مضامین سے دامن چھڑا کر دنیا کے بدلتے رنگوں کی فضا میں آنکھ کھولتی اور حُسنِ ہزار شیوہ کی نیرنگیوں میں دامِ حیرت بچھاتی نظر آتی ہے۔ تاہم اِس دَور کی ایک نمایاں بات، جس کی طرف بہت کم دھیان جاتا ہے، غزل کے منفرد طرزِ

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

احساس کے پس منظر میں شاعر کی اپنی شخصیت بھی ہے، جسے اپنے افتادِ طبع اور مزاج کی بوقلمونی کے سبب پسِ منظر میں رہنا گوارا نہیں اور غزل کے متنوع شعروں کی طرح اپنی شخصیت کی اُن متنوع جہات کو بھی منظرِ عام پر لانے میں مستعد رہتی ہے جسے بالعموم لفظ و معنی کی زیریں سطح پر بدقت تلاش کیا جاتا ہے۔ایک شاعر، یوں تو ایک عام شخص ہی ہوتا ہے اور عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے لیکن اس کا تخلیقی عمل اُسے عام انسانوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔اس بات کا احساس شاعر کو خود بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے جذبات، کیفیات اور تجربات کو تخلیقی اظہار کی سطح پر لانے اور غیر معمولی ذہنی عمل کو تحرک دینے پر جو قدرت رکھتا ہے وہ ایک عام انسان کے بَس کی بات نہیں ہے۔چناں چہ وہ خود کو ایک عام انسان کی طرح شخص نہیں بلکہ شخصیت کے روپ میں دیکھتا ہے اور یہ بات اس کی سائیکی کا حصّہ بن جاتی ہے کہ وہ ایک عام شخص کے مقابلے میں اپنے فکر و عمل میں زیادہ آزاد اور خود مختار ہے۔یہی فکر و عمل کی آزادی اور اپنے فیصلوں میں خود مختاری کا احساس آگے چل کر اُسے انحراف کی راہ دکھاتا ہے اور وہ معاشرے کے بنے بنائے سانچوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔اپنے لیے خود اپنی راہ بناتا اور اس پر چلتے رہنے پر اصرار کرتا ہے۔یہی انحراف اسے اجتہاد کی جرأت دلاتا اور اختراعی عمل پر اُکساتا ہے۔

غزل کا شاعر عام طور پر دیگر اصناف کے تخلیق کاروں سے اپنے خصوصی رویوں کے سبب مختلف مزاج کا حامل ہوتا ہے۔اس کے یہاں اپنے تخلیقی شعور، فہم و فراست اور اپنے خیالات پر اعتماد دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔اور اِسی باعث اس کا تخلیقی ذہن معروضات کے پس پردہ حقائق تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔اس کی تخلیقی صلاحیتیں اور آزادی فکر و عمل، انحراف اور مطابقت ناپذیری (Non-Conformity) کی خصوصیات کے فروغ کا سبب بنتی ہیں۔اس کے یہاں اپنی ذات کا احترام دوسروں کی نسبت کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے اور ہر آن اپنی عزتِ نفس کا خیال دامن گیر رہتا ہے۔یہی کیفیت ''تعلّی'' کی صورت میں غزل کے اشعار یا زیادہ تر مقطعوں میں ظاہر ہوتی ہے۔''مقطع اِس بنا پر خصوصی نفسیاتی اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ تخلص اسے ایک لحاظ سے ذاتی اور نجی بنا دیتا ہے...... پھر یہ بھی ہے کہ غزل اگر چہ دوسروں کے لیے لکھی جاتی ہے لیکن مقطع بالعموم شاعر اپنے لیے لکھتا ہے۔اِسی لیے بیشتر مقطعے نرگسی رنگ میں رنگے ملتے ہیں۔''(۱)

اِسی طرح غزل کی ردیف بھی کئی ایک پہلو سے شاعر کو اپنی ذات کے اظہار کا موقع فراہم کرتی ہے اور یوں ردیف بھی ذات کا حوالہ بنتی نظر آتی ہے۔

اردو غزل کی روایت میں میرؔ سے غالبؔ تک اور غالبؔ کے بعد سے آج تک ایسے شاعر موجود رہے ہیں جن کی خود شناسی انھیں خودستائی کی منزل تک لے آئی۔کہیں یہ خودداری میں ڈھل گئی اور کہیں خود پرستی کی سطحوں کو

چُھو کر شاعر کو ایک مریضانہ نرگسیت کے دائرے میں لے آئی۔

خود شناسی اقبال کے ہاں خودی کے روپ میں نظر آتی ہے جو اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی کے مرحلوں سے گزر کر انسان کو عجز و انکسار کی تصویر بنا دیتی ہے۔ لیکن اس کی دوسری سطح خودداری کی ہے جو مثبت اور منفی دونوں نتائج کی حامل ہے۔ دراصل خودداری ایک فطری جذبہ ہے جو پھول میں خوشبو کی طرح انسان کے وجود میں رچا بسا ہوتا ہے۔ یہ براہ راست انسان کی داخلی شخصیت (Innerself) سے متعلق ہے جو ایک خوش گوار رجحان کی غمازی کرتی ہے تاہم اگر یہ حدود سے تجاوز کر جائے تو پھر ایک منفی رجحان کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔(۲)

خودداری کو نفسیات دان ''انا'' (Ego) کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔ برینن (Brennan) کا کہنا ہے کہ ''اَنا عملی اصول کے تحت انسان کی اپنی ذات کے بارے میں واقفیت کا نام ہے۔''(۳) یوں تو ذات اور شخصیت اپنے اعمال و کردار کے حوالے سے دو الگ الگ دائروں میں حرکت پذیر ہوتے ہیں تاہم ولیم جیمس نے ''ذات'' کو شخصیت ہی کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور اِس خیال کو پیش کیا ہے کہ ذات دراصل شخصیت ہی کا باطنی مشاہدہ ہے۔ اس نے انسانی ذات کو چار درجوں میں تقسیم کر کے آخری درجے کو ''اَنا'' یا ''ایگو'' سے مخصوص کیا ہے جس کا براہ راست تعلق ذات کے تیسرے درجے یعنی ''ذاتِ روحانی'' سے بنتا ہے۔(۴) اس حوالے سے اَنا، ذات اور شخصیت کی ایک مثلث قائم ہوتی ہے جو اپنے دائرۂ عمل میں ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے انسلاک رکھتے ہیں اور مل جل کر ایک ایسی شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں جس کا ذکر ہم گذشتہ سطور میں کر چکے ہیں۔ گویا غزل کا شاعر جو خودداری اور عزتِ نفس کی بلند ترین سطح پر ہوتا ہے اپنی تخلیقی فعالیت کے سبب بنیادی طور پر اَنا کا اسیر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری کے خیال میں عام طور پر فعلی شخصیتیں ''انائی'' ہوتی ہیں اور انانیت انسانی فطرت کا سب سے تاب ناک جوہر ہے۔ یہ اثباتِ خودی ہے، ذوقِ خودنمائی ہے، تعمیر خودی ہے۔ بقول اقباؔل، تعمیر خودی میں ہے خدائی۔''(۵)

غزل کے شاعر کی فعالیت میں کلام نہیں۔ وہ بہ یک وقت کئی سطحوں پر فعال اور مستعد ہوتا ہے اور اس عمل میں اظہارِ ذات کا کوئی پہلو اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہتا۔ ہمارے نفسیاتی نقادوں نے (جن میں خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر سلیم اختر صاحب کا بڑا نام ہے) غزل کے شاعروں خصوصاً میرؔ اور غالبؔ کے ہاں اِس نوع کی مثالیں تلاش کی ہیں۔ اور ان کی خودداری، خود پرستی اور انانیت کے سبب انھیں نرگسی شخصیت کے زمرے میں رکھا ہے۔ جدید غزل گو شاعروں میں بھی اس طرح کی کئی مثایں موجود ہیں۔ ان میں ایسے شاعر بھی شامل ہیں جن کی حد سے بڑھی ہوئی انانیت اور خود پرستی نے انھیں وقت سے پہلے ہی عدم کی راہ دکھا دی۔(۶) لیکن اکثر شاعروں نے اِسے

احساسِ برتری کی تسکین کا ذریعہ بنا کر خود پرستانہ اِدعائیت کے زمرے میں قدم رکھا ہے۔ یہاں میں جدید دور کے ایک اہم شاعر ساقی فاروقی (پ ۱۹۳۶ء) کی مثال دوں گی۔جنھیں شاعری کرتے ہوئے تقریباً ۶۰ برس بیت گئے اور اَب بھی وہ تخلیقی اعتبار سے فعال اور مستعد دکھائی دیتے ہیں۔ان کی شخصیت اور شاعری کا تجزیہ بڑے دل چسپ حقائق سامنے لاتا ہے۔ان کی آپ بیتی ''پاپ بیتی'' کے نام سے ۲۰۰۹ء میں منظرِ عام پر آئی۔آپ بیتی کے نام ہی سے اُن کی شخصیت کے تیور معلوم ہو جاتے ہیں۔اُن کی آپ بیتی سے ایک ایسی شخصیت کا پیکر بنتا ہے جسے اپنی آزادیِ فکر وعمل میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں۔وہ مروّجہ خیالات، افکار، عقائد اور اصولوں کو رڈ کر کے اپنے خیالات کی خود پرداخت کرتے ہیں اور ان کے اظہار میں کسی قسم کا خوف محسوس نہیں کرتے۔روشِ عام سے انحراف کر کے ہر اس کام میں، چاہے وہ تخلیقی ہو یا غیر تخلیقی، وہ اجتہاد کی جرأت رکھتے ہیں اور اپنے اعمال میں خودمختاری کے سبب وہ کسی کے سامنے سر جھکانا اپنی فطرت کے خلاف سمجھتے ہیں۔اُن کے یہاں مطابقت ناپذیری (Non-Confirmity) کی صفت قدرِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔ان کے نزدیک کسی دوسرے کی رائے (چاہے وہ کتنی ہی معقول کیوں نہ ہو) مجہولیت اور انفعالیت کی پیداوار ہے۔انحراف اور عدم مطابقت اُن کی تخلیقی زندگی کی اساس ہے اور اِس معاملے میں وہ کسی بھی ردِّ عمل کا سامنا کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔انانیت اور تفاخر ان کی فطرت کا ایک ایسا جزو ہے جو ہر آن انھیں خودستائی پر اُکساتا اور اسپِ خودنمائی کو ایڑھ لگاتا ہے۔محبت اور نفرت دونوں سطحوں پر اس انتہا کو جا پہنچتے ہیں کہ ان پر شدت پسندی کا گمان غالب آنے لگتا ہے۔ڈاکٹر انور سدید نے ان کے بارے میں یہ جملہ لکھا ہے کہ ''وہ واحد ادیب ہیں جو رہتے تو انگلستان میں ہیں لیکن ان سے خوف کھانے والے پوری دنیا میں ملتے ہیں۔''(۷) اِس جملے پر غور کر لیں تو ساقی فاروقی کی ''بے رحم ذات'' کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔اُن سے خوف کھانے کی وجہ اُن کی بے باکی اور جرأت اظہار ہی ہے جس میں وہ کسی کو خاطر میں لانے کے روادار نہیں ہیں اور اِس عمل میں بڑے بڑے ادبی سورماؤں کو پامال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

ساقی فاروقی کی کتاب ''ہدایت نامۂ شاعر'' جہاں ان کی بے باکانہ تنقید (اگر یہاں سفاکانہ کا لفظ استعمال کیا جائے تو برمحل ہوگا) کا کھلا اظہار ہے۔وہاں ان کے شعری نظریات کا اعلانیہ بھی ہے۔تخلیق کے معاملے میں وہ بڑے سخت گیر واقع ہوئے ہیں۔ان کی سخت گیری درج ذیل سطور سے ظاہر ہوتی ہے۔اس نوع کے جملوں سے ''ہدایت نامہ شاعر'' بھری پڑی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''تیس تیس چالیس چالیس سال تک جہالت کے زور پر شعر لکھنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو مہرباں چھوڑ آئے، داستاں چھوڑ آئے یا شرابوں میں ملیں،

پھول کتابوں میں ملیں جیسے فرسودہ رومانوی جذبات پر قناعت کرنی پڑتی ہے۔ اسلامی ادب کے بیٹر بازوں نے ہماری پیاری زبان کی مقدس فضاؤں میں اپنے شِکرے چھوڑ رکھے ہیں کہ وہ تازہ خیالی اور دور بینی کا شکار کرسکیں۔'' (ہدایت نامۂ شاعر، ص۱۰)

ساقی فاروقی کا یہ جارحانہ اسلوب ان کے اس عمومی مزاج کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے جو بے خوف و خطر مقابل کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے سے ذرا بھر نہیں چوکتا۔ ایک نام ور نقاد اور شاعر کو مخاطب کرتے ہوئے وہ نہایت صاف گوئی سے اور لگی لپٹی رکھے بغیر یوں لکھتے ہیں:

''آپ سینکڑوں الفاظ کے تہ در تہ معنوی پیکروں سے واقف ہی نہیں ادھر آپ نے مصرعہ لکھا اُدھر مولانا صلاح الدین احمد کی روح قبر میں تڑپی۔ آپ واقف ضرور ہیں مگر لفظ کے حسیاتی اور جمالیاتی زاویوں سے قطعی نابلد ہیں۔'' (ایضاً، ص۲۰)

ساقی فاروقی کا یہ سخت گیر رویہ اور دوسروں کو پرِکاہ سے زیادہ اہمیت نہ دینے کا انداز اپنے اس پس منظر میں کئی ایک ایسے حقائق رکھتا ہے جو اپنی ذات میں احساس برتری سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کی تخلیقیت کے چشمے بھی اس احساس برتری اور انانیت سے پھوٹتے ہیں۔ ان کی سوچ کسی طے شدہ نظام اور مقررہ اصولوں کی پابند نہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں کسی طے شدہ نظام اور مقررہ ضابطوں کی محکومی سے تخلیقی سوتے خشک ہو جاتے ہیں اسی لیے وہ فطرتاً ان مظاہر اور صورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں جو ابھی تشکیل پذیری کے مراحل میں ہیں یا سرے سے ہی عدم تشکیل کا شکار ہیں۔ کیونکہ یہی ایک صورت ہے جس میں چیزوں کی تخلیق اور انفرادی تشکیل انانیت کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ نفسیات دانوں کا بھی یہی خیال ہے کہ ''طے شدہ امور اور نظاموں کو ماننے سے آگے سوچنے سمجھنے اور تخلیق کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ اسی بنا پر تخلیقی افراد بے نظمی اور غیر مربوط مظاہر کو اپنے لیے خطرہ نہیں سمجھتے بلکہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ غیر مربوط مظاہر میں ایک اعلیٰ تر ربط و تسلسل کی دریافت ممکن ہے۔''(۸)

درج بالا سطور کی روشنی میں ساقی فاروقی کا یہ انداز اور رویہ ادب اور تخلیق کے لیے ضرور صحت مند اور مثبت ہے لیکن ان کی انانیت کے زیر اثر فروغ پانے والا اکھڑ پن معاشرتی تعلقات کی سطح پر ایک تلاطم بھی پیدا کرتا ہے۔ اور دیکھنے والے یہ جان لیتے ہیں کہ وہ کہیں شعوری اور کہیں لاشعوری طور پر بانگ دہل اپنے ہونے کا اعلان کرتے اور اس آواز کی گونج کو سن کر ایک مسرت آمیز حظ اٹھاتے ہیں۔

ساقی فاروقی کی شخصیت کے نفسیاتی محرکات میں ان کے خاندان کے شکوہِ رفتہ کا بہت دخل ہے۔ وہ اگر کسی عام یا متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے ہوتے تو شاید اُن کی ''انا'' کہیں آنکھیں موند کر پڑی ہوتی اور وہ ایک روایتی انداز کے شاعر یا ادیب ہوتے۔ لیکن ان کی انانیت کے منہ زور ہونے کا سبب ان کے خاندان کی خوش حالی

بھی رہا ہے جسے بقول ان کے بدحال ہونے میں دیر نہیں لگی۔(۹)

ان کی دیکھ بھال اور سیر و تفریح کے لیے ایک خاص نوکر بھی مقرر تھا جس پر بچپن میں حکم چلانے کی مشق بہم پہنچا کر انھوں نے ادب میں بھی ''حکم چلانے'' کی رسم ایجاد کی۔ تقسیم کے بعد پاکستان آ کر وہ حالات نہ رہے۔ والدہ نروس بریک ڈاؤن (جسے انھوں نے ڈائن لکھا ہے) کا شکار ہوگئیں۔ والد دو سال تک بے کار رہے۔ زیورات بیچ کر دونوں بھائیوں کو ہاسٹل میں رکھا گیا۔ حالات کی تبدیلی میں ایک اہم کردار ان کے والد کی قمار بازی نے بھی ادا کیا۔ تاہم پاکستان بننے کے بعد مفلوک الحالی نے اس عادت سے نجات دلائی۔ ان تمام عوامل نے مل جل کر ساقی فاروقی کے ذہن پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان کی ازدواجی زندگی کا تجربہ بھی اُن کے لیے راحت آمیز نہیں رہا۔ ان پر تخلیقی مقالہ لکھنے والے ایک طالب علم نے جب اس سلسلے میں کچھ جاننے کے لیے ان سے رابطہ کیا تو بقول مقالہ نگار: ''موصوف کو اس موضوع کے حوالے سے وحشت ہوئی۔''(۱۰) اس تمام پس منظر کے ہوتے ہوئے ساقی فاروقی کے تخلیقی مزاج کو سمجھنا مشکل نہیں۔ ایک سیدھے سادے جادے (جس پر چلنے میں عافیت ہی عافیت ہے) سے اگر وہ منحرف ہو کر پیچ در پیچ راہوں کا انتخاب کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود کو دوسروں سے الگ کر کے دکھانا چاہتے ہیں اور یہ محض دکھاوے کی حد تک نہیں بلکہ ان تمام سب وشتم اور دشنام طرازی کے مقابل پر قدم جما ہو کر اپنے موقف پر اصرار کی ہمت بھی رکھتے ہیں۔ جو بعض مقتدر ہستیوں کے حوالے سے ''کیچڑ اچھالنے'' کے سبب ان پر کی گئی۔ اس نوع کے مضامین کے پس پردہ دراصل ہمہ دانی کا دعویٰ اور یہ احساس کارفرما ہے کہ شاعری کے حوالے سے ان کی جو سوچ بن گئی ہے وہ حرفِ آخر اور اٹل ہے اور اس میں کسی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔

ساقی فاروقی کا یہ رویہ اور مزاج ان کی شاعری میں بھی نظر آتا ہے۔ اپنی ایک غزل کے معاملے میں ان کی احمد ندیم قاسمی اور مشفق خواجہ سے خط کتابت رہی۔ ان خطوط میں بعض عروضی غلطیوں کی نشان دہی پر انھوں نے اپنی ہی بات پر اصرار کیا اور بالآخر ان دونوں حضرت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ مشفق خواجہ کے نام ایک خط میں وہ اُن کے علم عروض کو کسبی اور بیگانہ کی ''چراغ سخن'' کا مرہون منت قرار دیتے ہیں جبکہ اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''میرا علم عروض خلقی ہے۔ میرے پاس عروض کی کوئی کتاب موجود نہیں مگر میری ذات میں آہنگ کے تمام چراغ روشن ہیں۔'' (ہدایت نامۂ شاعر، ص ۵۳)

ایک شاعر کا منصب اور مقام بھی ان کی نگاہ میں ہے۔ ان کے خیال میں ''شاعر اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ اندر سے لوگوں کی تطہیر ضرور کرتا ہے یعنی وہ معاشرے کے ناسور اور کوڑھ کی نشان دہی کرتا ہے۔ ظلم سہتے ہوئے آدمیوں کے زخموں اور داغوں پر اپنی دردگسار نظر کی سرچ لائٹ پھینکتا ہے اور انھیں منظر عام پر لا کر سوسائٹی کی بے حسی

اور لاتعلقی کو چیلنج کرتا ہے۔'' ساقی فاروقی کے نزدیک ''شاعری پوری ذات کا مکمل اظہار مانگتی ہے۔'' پھر یہ بات بھی کہ: ''اسلوب ذات ہے''۔اور یہ کہ ''فنکار کو اپنی ذات کے اسلوب میں لکھنا چاہیے۔''(۱۱) گویا شاعری میں ہر مقام پر، چاہے وہ خیال ہو، لفظ ہوں یا کچھ اور، ان کے خیال میں ذات کو منہا کر کے یہ تخلیقی عمل سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔

ساقی فاروقی کی غزل جہاں ان کی ذات کا اعلامیہ ہے وہاں بقول مشفق خواجہ ''ایک اہم اور سچے تخلیق کار کا فن ایسا آئینہ ہوتا ہے جس میں اس کی اپنی شخصیت ہی کے نہیں، معاشرتی تہذیب و اقدار کے رنگ بھی منعکس ہوتے ہیں۔ساقی فاروقی ایسا ہی ایک شاعر ہے۔اس کی شاعری اور خاص طور پر غزل میں ایک طرف اس کی اپنی تعمیری اور تخریبی قدریں بروئے کار نظر آتی ہیں اور دوسری طرف زندگی اور معاشرے کے باطن کی پرتیں بھی کھلتی چلی جاتی ہیں۔''(۱۲)

ساقی فاروقی شعر کے فن کو تکمیل شخصیت اور زمزمہ ہائے حیات کی رنگینیوں سے عبارت سمجھتے ہیں۔ڈاکٹر حنیف فوق کہتے ہیں کہ ساقی فاروقی نے اپنے دور کی جذباتی اور تصوراتی الجھنوں کو اپنے آپ پر طاری کیا ہے اور ذات کو ہنگامہ حیات کا مرکز قرار دیا ہے۔'' تاہم ان کے نزدیک ''یہ ذات تنہائی، خوف اور فکری کرب میں مبتلا ہے۔''(۱۳)

ڈاکٹر حنیف فوق نے ان کے یہاں کرب ذات کے ساتھ، کرب آگہی کی نشان دہی بھی کی ہے۔اور ان دونوں حوالوں سے یہ اشعار درج کیے ہیں۔

میں نے اٹھ کر عجب تماشا دیکھا آدھی رات کو
روح کو اندھی روح بلائے ہاتھ پکارے ہات کو
جانے کیا ہونے والا ہے نیند نہ آئے خوف سے
رات ڈرائے شہر ڈرائے ایک اکیلی ذات کو

....

میں تو خدا کے ساتھ وفادار بھی رہا
یہ ذات کا طلسم مگر ٹوٹتا نہیں

....

کرب آگہی کے ذیل میں، جہاں وہ ذات کا خارجی علائق کے ساتھ انقلابی رابطہ قائم کرتے ہیں، یہ شعر دیکھیے۔

حد بندی خزاں سے حصارِ بہار تک
جاں رقص کر سکے تو کوئی فاصلہ نہیں(۱۴)

ساقی فاروقی کی ذات اور شخصیت جس خوف اور کرب کے حصار میں سانس لیتی ہے اس کی ڈوریں کہیں دُور ماضی میں الجھی ہوئی ہیں۔ جس کی یادیں ان کے طرزِ احساس کا ایک اہم استعارہ ہیں۔ اسی طرح عہدِ آئندہ بھی ان کے دھیان میں آ کر ایک دل خوش کن تصور کا روپ اختیار کرتا ہے لیکن سرِ دست اس کی حیثیت ایک خیالِ موہوم کی ہے جو گمان کے پردوں میں ہے۔ جمال پانی پتی کے خیال میں ماضی کی یادیں اور مستقبل کے خواب ساقی فاروقی کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہیں اور انہی یادوں اور خوابوں سے انھوں نے اپنی شاعری کے نگار خانے کو سجایا ہے۔ تاہم اس درمیان میں ایک خوف کا عنصر بھی موجود ہے جو اُن کے لاشعور سے شعور میں آ کر انھیں خوف زدہ کرتا رہتا ہے:

> ''چونکہ اپنی یادیں اور خواب ساقی کو بہت عزیز ہیں اس لیے وہ ان یادوں کے راکھ ہونے اور خوابوں کے ویران ہونے سے ڈرتا بھی ہے...... کبھی اس بات سے خوف زدہ ہوتا ہے کہ کہیں ان یادوں کا ذخیرہ وقت کے دہکتے ہوئے الاؤ میں جل کر راکھ نہ ہو جائے اور کبھی تنہائی کا اندھیرا اس کی آنکھوں سے خوف بن کر جھانکنے لگتا ہے۔''(۱۵)

ساقی فاروقی کے یہاں خوف کی اس لہر کا مفہوم جمال پانی پتی نے یاد اور خواب کے تناظر میں جس طرح سمجھنے کی کوشش کی ہے وہ محض اس حقیقت کا ایک پہلو ہے جو ان کے بعض اشعار میں دَر آیا ہے مثلاً:۔

وہ اندھیرا ہے کہ تنہائی سے ہول آتا ہے
سارے بچھڑے ہوئے لوگوں کو صدا دو کوئی

....

اب یادوں کی دھوپ چھاؤں میں گرداب سا پھرتا ہوں
میں نے بچھڑ کے دیکھ لیا ہے دنیا نرم قدم نہ ہوئی

....

اک جہاز ادھر آئے اور کوئی اُتر آئے
یاد کے جزیرے میں خواہشیں بہت سی ہیں

اس حقیقت کا اہم اور بنیادی پہلو وہی ہے جو ساقی فاروقی کی انانیت، خودداری اور خود پرستی کے حوالے سے اس مضمون کے درمیان میں بیان ہوا ہے۔ ان کی غزل میں جہاں ایسے اشعار ہیں کہ:

سپردگی میں نہ دیکھی تمکنت ایسی
یہ رنج ہے کہ اَنا کا شکار میں بھی تھا

مجھے سمجھنے کی کوشش نہ کی محبت میں
یہ اور بات ذرا پیچ دار میں بھی تھا

وہاں ایسے احساس کے حامل اشعار بھی ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں جن میں معاشرے کے گناہوں اور کمینگیوں کو اپنے گناہ اور کمینگی سمجھنے کی کیفیت ملتی ہے۔ اور یہ احساسِ گناہ ایک خوف کے حصار میں نمو پاتا ہے:

میں کب بھلا تھا یہ دنیا اگر کمینی تھی
درِ کمینگی پہ چوبدار میں بھی تھا
وہ آسمانی بلا لوٹ کر نہیں آئی
اس زمیں پر امیدوار میں بھی تھا

....

وہ منتقم ہوں کہ شعلوں کا کھیل کھیلتا ہوں
مری کمینگی دیتی ہے داستان مجھے
میں اپنی آنکھوں سے اپنا زوال دیکھتا ہوں
میں بے وفا ہوں مگر بے خبر نہ جان مجھے

....

یوں ہے کہ تعاقب میں ہے آسائش دنیا
یوں ہے کہ محبت سے مُکر جائیں گے اِک دن

یہی احساسِ گناہ بڑھ کر احساسِ زیاں سے جا ملتا ہے جہاں ہر شے رائیگاں ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ یہاں جدید غزل کے فنی پہلو کا دھیان آتا ہے تو نظیر صدیقی کی بات یاد آتی ہے کہ ''انھیں (ساقی فاروقی) غزل کہنے کا سلیقہ آتا ہے۔ غزل کے شعروں میں جو چستی اور تیزی اور نوکیلا پن ہونا چاہیے وہ ان کے بہت سے شعروں میں موجود ہے...... جو لوگ جدید غزل کے نام پر خرافات گوئی کر رہے ہیں انھیں چاہیے کہ وہ ساقی فاروقی جیسے شاعروں کی غزلوں کو غور سے پڑھیں اور ان سے سیکھیں کہ غزل کے مزاج کو مجروح یا اس کے مطالبات کو نظر انداز کیے بغیر جدید تجربات کو غزل کے سانچے میں کس طرح ڈھالا جا سکتا ہے۔''**(۱۶)**

رائیگانی کا احساس ساقی فاروقی کے ان اشعار میں دیکھیے:

دنیا ہزار سحر تھی دنیا ہزار رنگ
ہم بدنصیب لوگ ذرا بدگماں چلے
جس کی ہوس کے واسطے دنیا ہوئی عزیز
واپس ہوئے تو اس کی محبت خفا ملی

....

یہ روح کی بستی پھر مسمار نظر آئی
تعمیر کی ہر سازش بے کار نظر آئی

....

عمر بھر کانٹوں میں دامن کون الجھاتا پھرے
اپنے ویرانے میں آ بیٹھا ہوں دنیا دیکھ کر

....

بے کار اس کے واسطے آنکھیں ہوئیں تباہ
یہ لوگ آنسوؤں سے گرفتار کب ہوئے

....

وہ میرے گھر کا دروازہ جیسے زنداں کھلتا ہے
میں اپنے گھر لوٹ رہا ہوں دستک دو حالات کو

....

اب گھر میں نہیں، گھر کی تمنا بھی نہیں ہے
مدت ہوئی سوچا تھا کہ گھر جائیں گے اک دن

....

میرے اندر بیٹھا کوئی میری ہنسی اڑائے
ایک پلک کو اندر جاؤں باہر بھاگا آؤں

اور پھر یہ احساس کہ میں ہوں اپنی شکست کی آواز:

مجھ کو مری شکست کی دہری سزا ملی
تجھ سے بچھڑ کے زندگی دنیا سے جا ملی

بات ساقی فاروقی کی انانیت، خودداری، خود پرستی اور خودستائی سے شروع ہوئی تھی جس کے مختلف مظاہر ہم نے ان کے یہاں دیکھے۔ انھیں خود بھی ان تمام عوامل کا احساس ہے۔ ایک جگہ اپنی تحریر کا آغاز ہی اس جملے سے کرتے ہیں کہ ''اگر اس امر کو خودستائی یا غیر ضروری انانیت پر محمول نہ کیا جائے تو میں یہ کہنا چاہوں گا.....'' (ہدایت نامۂ شاعر، ص ۸۸) تو گویا وہ اس بات کو ذہن رکھے ہوئے ہیں یا ان کے لاشعور میں موجود رہی ہے کہ وہ انانیت پسند ہیں۔ بہر حال اُن کی ذات، شخصیت اور اَنا نے مل کر انھیں تخلیق کی اس سطح پر جا بٹھایا ہے جہاں انفرادیت کے احساس اور دوسروں سے الگ رہ کر وہ ایک جدید اور نئی شعری بوطیقا ترتیب دیتے ہیں۔ اس مضمون میں کہیں نرگسیت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ نرگسیت کی اصطلاح کے پس منظر میں ایک دلچسپ یونانی اسطورہ موجود ہے۔ جس میں ایک خوش جمال پانی میں اپنا عکس دیکھ کر خود پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور الفتِ ذات کا اسیر ہو کر سرد آہیں بھرنے لگتا ہے۔ اسی عالم میں وہ اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے۔ اس کا خوب صورت جسم مٹی میں مل جاتا ہے اور اس مٹی سے ایک پھول نکلتا ہے جو ''نرگس'' نام پاتا ہے۔ ساقی فاروقی کا یہ شعر ہمارا دھیان اس اسطورے کی طرف لے جاتا ہے کہ:

سوچ میں ڈوبا ہوا ہوں عکس اپنا دیکھ کر
جی لرز اٹھا تری آنکھوں میں صحرا دیکھ کر

اس شعر کی معنویت ساقی فاروقی کے ان الفاظ میں کھلتی ہے جو انھوں نے اپنی ذات کے حوالے سے تحریر کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''میں تنہا ہوں اور تنہائی میں آپ سے مخاطب ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری مجبوری دوہری ہے۔ اظہار بھی اور رسائی بھی یعنی دکھ اٹھانا اور لفظوں کو زنجیر کرنا تو لکھنے والے کا مقدر ہے مگر یہ احساس کہ جس استعارے کو جنم دینے کی کوشش میری شاعری میں ملتی ہے اس سے کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی ذہن میں کوئی نہ کوئی ارتعاش پیدا ہوگا......عجب جان آفریں ہے۔ یہ خوش خیالی مجھے خاموش نہیں ہونے دیتی ورنہ یوں ہے کہ لفظوں پر بے اعتباری بڑھتی جاتی ہے۔'' (ایضاً، ص ۲۴۷)

حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تخلیق، تخلیقی شخصیات اور تنقید، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص۲۲۳
۲۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، اردو شاعری میں نرگسیت، لکھنو، نسیم بک ڈپو، ۱۹۷۴ء، ص۸۹
۳۔ Brennan` Robert Adward, General psychology p.350
۴۔ William james, principles of psychology part 1, 1890
۵۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، غالب، فکروفن، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۱ء، ص۲۵۳
۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب ''راگ رُت، خواہشِ مرگ اور تنہا پھول'' از ڈاکٹر صفیہ عباد
۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، شذرہ ہدایت نامۂ شاعر از ساقی فاروقی، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص۶
۸۔ ساجدہ زیدی، پروفیسر، انسانی شخصیت کے اسرار و رموز، لاہور، یو پبلشرز، ۲۰۰۶ء، ص۴۵۳
۹۔ ساقی فاروقی، پاپ بیتی، کراچی، اکادمی بازیافت، ص۱۶
۱۰۔ محمود الحسن، ساقی فاروقی بحیثیت غزل گو، مقالہ برائے ایم فل اردو، غیر مطلوعہ مملوکہ جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، ص۱۱
۱۱۔ ساقی فاروقی، ہدایت نامہ شاعر، ص۹۹، ۱۰۳، ۹
۱۲۔ مشفق خواجہ، فلیپ، غزل بے شرط، (ساقی فاروقی) کراچی، بازیافت، ۲۰۰۴ء
۱۳۔ حنیف فوق، اردو غزل کے نئے زاویے، (مضمون) مشمولہ، فنون، لاہور، جدید غزل نمبر جلد اول، جنوری ۱۹۶۹ء، ص۱۳۸
۱۴۔ حنیف فوق، اردو غزل کے نئے زاویے، فنون جدید غزل نمبر، ص۱۳۸
۱۵۔ جمال پانی پتی، دہری تلاش کا شاعر، مضمون مشمولہ غزل بے شرط، ص۲۳
۱۶۔ نظیر صدیقی، جدید اردو غزل ایک مطالعہ، لاہور، گلوب پبلشرز، ۱۹۸۴ء، ص۶۸

❀......❀......❀